© rasailojaraid.com

حرف آغاز

خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات

سید جلال الدین عمری

۲۰-۲۱/نومبر ۲۰۰۹ء کو ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ کے زیر اہتمام 'خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات' کے مرکزی موضوع پر ایک سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کے افتتاحی اجلاس میں راقم کو کلیدی خطبہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ مصروفیات کی بنا پر پہلے سے مقالہ کو ضبط تحریر میں نہ لایا جاسکا۔ ضروری نوٹس کی روشنی میں سمینار میں زبانی طور پر جو کچھ عرض کیا گیا اسے ریکارڈ کرلیا گیا تھا۔ اس پر نظر ثانی اور ضروری حذف و اضافہ کے بعد یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ (جلال الدین)

خاندان اجتماعی زندگی کا اولین ادارہ

ہم سب جانتے ہیں کہ انسان اجتماعیت پسند ہے۔ اس کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ سماج میں رہنا پسند کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی ضروریات کا بھی تقاضا ہے کہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ تنہا اپنی ضرورتیں پوری نہیں کرسکتا۔ بہت سے افراد مل کر اس کی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ خاندان اس اجتماعی زندگی کا اولین اور اساسی ادارہ ہے۔ یہیں سے اجتماعیت کا آغاز ہوتا ہے اور بہت سے خاندان مل کر سماج کی تشکیل کرتے ہیں۔

سماجیات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ خاندان مختلف قسم کے رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ چھوٹے اور اوسط درجے کے خاندان بھی رہے ہیں اور نسبتاً بڑے خاندان بھی پائے گئے ہیں۔ چھوٹے خاندان میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس میں ماں باپ اور بہت ہی قریبی رشتہ دار بھی بسا اوقات شامل ہوتے ہیں۔ بعض خاندان مشترک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں جو کئی خاندانوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کا نظم کبھی الگ الگ اور کبھی مشترک ہوتا ہے۔

اسلام نے نظام خاندان کو مستحکم کیا ہے

اسلام نے خاندان کے اساسی ادارے کو باقی رکھا اور اس میں خدائی ہدایات سے محرومی، نفسانی خواہشات کے دخل یا ظلم و زیادتی کی وجہ سے جو بہت سی خرابیاں در آئی تھیں ان کو دور کیا۔ قرآن مجید میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ کیا خرابیاں ہیں؟ اور ان کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ اس نے نظام خاندان میں پائی جانے والی خامیوں ہی کو دور نہیں کیا، بلکہ خاندان کا ایک تفصیلی نقشہ پیش کیا کہ خاندان کس طرح کا ہونا چاہیے؟ اس میں مسائل پیدا ہوں تو انھیں کس طرح حل کیا جانا چاہیے؟ اس سے خاندان کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی ہوتی ہے اور عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں۔ وہ ایک صحت مند معاشرے کے لیے خاندان کو لازمی قرار دیتا ہے۔ کوئی بھی دور ہو اور کیسے ہی حالات ہوں، وہ اسے ایک مستقل اور ابدی ادارے کی حیثیت سے باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے اخلاق اور قانون دونوں سے مدد لی ہے۔ وہ مختلف طریقوں سے اس ادارہ کو مستحکم کرتا اور مضبوط بناتا ہے۔

رہبانیت اور آوارگی کے درمیان راہِ اعتدال

خاندان کا آغاز مرد اور عورت کے صنفی تعلق سے ہوتا ہے۔ اس تعلق کے سلسلہ میں ایک تو رہبانیت کا نقطۂ نظر ہے کہ یہ انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہے۔ جو کوئی روحانی مدارج طے کرنا چاہتا ہے اسے اس سے دامن کش رہنا چاہیے۔ دوسرا نقطۂ نظر مطلق اباحیت یا بے قید جنسی خواہش کی تکمیل کا ہے۔ رہبانیت تو شاید آہستہ آہستہ دم توڑ چکی ہے، لیکن جنسی آوارگی کا راستہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ اسلام نے اعتدال کی راہ دکھائی۔ اس نے کہا کہ یہ ایک فطری ضرورت ہے، لیکن اس کی تکمیل کی بعض مخصوص شرائط ہی کے ساتھ اجازت دی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے اس نے 'نکاح' کی شرط رکھی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکاح کے ذریعے ہی آدمی اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرسکتا ہے۔ یہ جائز ہی نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیک کام میں ثواب ہے۔ اس ضمن میں آپؐ نے فرمایا: **وفی بضع احدکم صدقة** (تمھارے جنسی عمل میں بھی ثواب ہے) اس پر صحابۂ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، ایک آدمی اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس میں بھی اسے ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا:

أرایتم لو وضعھا فی حرام أکان علیه فیھا وزرٌ؟ فکذلک اذا وضعھا فی الحلال کان له اجرٌ۔[1]	''تمھارا کیا خیال ہے۔ اگر وہ اپنی اس خواہش کو غلط طریقے سے پوری کرتا تو کیا اسے گناہ نہ ہوتا؟! اسی طرح اگر وہ اسے صحیح طریقے سے پوری کررہا ہے تو اس پر وہ اجر کا مستحق ہے''

اسی طرح اسلام نے یہ بھی کہا کہ اس فطری جذبے کو ختم کرنا صحیح نہیں ہے۔ صحابۂ کرام میں سے بعض کا رجحان تھا کہ رہبانیت اختیار کرلیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

لارھبانیة فی الاسلام اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے کم زور ہے، لیکن جو بات اس میں کہی گئی ہے وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ صحابۂ کرام میں سے بعض لوگوں نے سوچا کہ خصی کروالیں، تاکہ جنسی خواہش ہی کا خاتمہ ہوجائے، آپؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

انی لم اومر بالرھبانیة[2] مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

مقصدِ نکاح

اسلام میں نکاح کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعے آدمی عفّت وعصمت کی زندگی گزارسکتا اور غلط کاموں سے بچ سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف

[2] سنن الدارمی، کتاب النکاح، باب النھی عن التبتل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوّج ۱؎ ''اے نوجوانو، تم میں سے جو شخص شادی کی استطاعت رکھتا ہے اسے شادی کر لینی چاہیے''

فقہائے کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی کے بدکاری میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور اسے حج درپیش ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے شادی کرے اور بعد میں حج کو جائے، کیوں کہ حج کو مؤخر کیا جاسکتا ہے، لیکن نکاح کو موخر کرنے سے بدکاری میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔

اسی حدیث میں آگے ہے:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم، فانہ لہ وجاء. ''اور جو شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔ اس طرح اس کی جنسی خواہش قابو میں رہے گی''

ظاہر ہے اگر آدمی خوب کھائے گا یا عیش وعشرت کی زندگی گزارے گا تو اس کے جذبات اسی لحاظ سے متحرک ہوں گے، اس لیے ان پر کنٹرول کرنے کے لیے طریقہ یہ بتایا گیا کہ وہ روزہ رکھے۔ کھانے پر کنٹرول ہو تو اس جذبے پر بھی کنٹرول ہوگا۔ بدکاری سے بچنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ آدمی عیش کی زندگی نہ گزارے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ محرّمات (وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے) کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا گیا ہے:

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۔(النساء:۲۴)

مطلب یہ کہ یہ محرمات ہیں، ان سے شادی نہیں ہوسکتی۔ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے مہر ادا کر کے نکاح ہوسکتا ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ تم باعفت زندگی گزارو اور بدکاری سے بچو۔

۱؎ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباء ۃ فلیصم، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ ...الخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی زبان میں 'حصن' قلعہ کو کہتے ہیں۔ محصنین کا مطلب یہ ہے کہ اس قلعہ میں داخل ہوجاؤ۔ اس میں آنے کے بعد تم پر بدکاری کے حملے نہیں ہوسکتے۔ یعنی جو شخص بھی اس قلعہ کے اندر آجائے گا وہ محفوظ ہوجائے گا۔ اسی طرح سفح عربی زبان میں اس روش کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے جنسی جذبات کے پیچھے بے تحاشا دوڑنے لگے۔ جہاں شادی کا حکم دیا گیا وہیں اس کی یہ مصلحت بتائی گئی کہ اس کے ذریعے تمھاری عفت کی حفاظت ہوگی اور تم بدکاری اور اس کے نتائج بد سے بچ سکو گے۔

زوجین ایک دوسرے کے لیے باعثِ سکون ہیں

قرآن نکاح کے تعلق کو الفت و محبت کا تعلق قرار دیتا ہے۔ یہ محبت فطری اور دوطرفہ ہوتی ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے زندگی کی تلخی اور بے کلی دور ہوتی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ آدمی کسی اجنبی لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ بسا اوقات پہلے سے اس سے کوئی جان پہچان نہیں ہوتی، لیکن نکاح ہوتے ہی ان کے درمیان محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ تو قدرت کی نشانی ہے:

وَمِنْ آيٰتِهٖٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۔(الروم:۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

اس آیت میں نکاح کا ایک مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعے زوجین کو سکون حاصل ہو، دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اللہ اس کے ذریعے زوجین کے دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت دونوں طرف سے ہونی چاہیے۔ اگر وہ یک طرفہ ہوگی تو دیر تک نہیں چلے گی۔ جہاں تک سکون کا تعلق ہے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زندگی کی ہماہمی، اضطراب اور بے چینی میں آدمی کو گھر میں اور وہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیوی ہی کے ذریعہ سکون مل سکتا ہے۔ اسی طرح بیوی کے لیے شوہر ہی وجہ سکون ہے۔ آج انسان سکون کا متلاشی ہے اور دنیاوی ترقی کے باوجود وہ جس چیز سے محروم ہے وہ سکون ہی ہے۔ قرآن نے بتایا کہ اگر تم سکون چاہتے ہو تو ازدواجی زندگی گزارو۔ وہ کہتا ہے کہ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں کہ دو اجنبی انسان ایک دوسرے کے لیے کس طرح وجہ سکون بن جاتے ہیں۔

قرآن نے ایک بات یہ بھی بتائی کہ تمھارے اس تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ اس نے کہا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ (البقرۃ:۱۸۷)

''عورتیں تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو''

اس آیت کی معنویت پر ہم جتنا غور کریں گے اتنے ہی نئے نئے پہلو ہمارے سامنے آتے جائیں گے اور ہم حیرت میں پڑ جائیں گے کہ قرآن مجید نے کتنی عمدہ اور بامعنی تعبیر استعمال کی ہے۔ انسان کا لباس اس کے جسم کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس سے قریب کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی۔ قرآن نے کہا: تم عورتوں کا لباس ہو اور وہ تمھارا لباس ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان جو قربت ہوتی ہے اس کے لیے اس سے بہتر اور کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔ لباس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ ہمارے جسمانی عیوب کو ڈھانپ دیتا ہے۔ جسم کے جس حصہ پر لباس ہوتا ہے وہاں اگر کوئی پھوڑا پھنسی ہے، یا کوئی اور خرابی ہے تو لباس ان سب کو چھپا دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمھارے تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ تم بیوی کا لباس ہو اور بیوی تمھارا لباس ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ پوش ہیں۔

اسلام نے خاندان کا سربراہ مرد کو بنایا ہے

اسلام نے خاندان کی تعمیر میں مرد اور عورت دونوں کو شریک کیا، لیکن گھر اور خاندان کا سربراہ مرد کو قرار دیا۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ادارہ ہو، بغیر ذمہ دار کے چل نہیں سکتا۔ اس سے وابستہ جتنے افراد ہوں سب اپنا حکم چلانا چاہیں تو ممکن نہیں کہ اس پر عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکے۔ اس لیے قرآن نے کہا کہ مرد اور عورت دونوں مل کر خاندان کی تعمیر کریں گے، لیکن اس میں ذمہ دار مرد ہوگا:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۔(النساء:۳۴)

''مرد عورتوں پر قوّام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ انھوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

نظام خاندان میں مرد کو ذمہ دار بنانے کی آیت میں دو وجہیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جسمانی، ذہنی اور دیگر پہلوؤں سے عورت کے مقابلے میں زیادہ صلاحیتیں دی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پر عورت کی مالی ذمہ داری ہے۔ اس کی وجہ بھی اس کی قوت وصلاحیت ہی ہے۔ ایک شخص قوی اور طاقت ور ہے اور دوسرا کم زور، تو طاقت ور شخص کے لیے ضروری ہے کہ کم زور کا بوجھ برداشت کرے۔ قرآن نے کہا کہ مرد نسبتاً مضبوط اور عورت اس کے مقابلے میں کم زور ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اس پر اپنا پیسہ خرچ کرے اور اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔ یہ ایک عام اصول ہے۔ استثنائی شکلیں بہت سی ہو سکتی ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت مرد کے مقابلے میں مضبوط ہو، باصلاحیت ہو اور صاحبِ ثروت بھی ہو۔ یہ سب امکانات ہیں، لیکن عمومی بات یہ کہی گئی ہے کہ خاندان کا سربراہ مرد ہوگا۔ اس میں اصلاً قوت وصلاحیت اور ذمہ داریوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔ مرد کو اس معاملہ میں ترجیح حاصل ہے اس لیے کہا گیا کہ گھر کے نظام میں اسے قوام کی حیثیت حاصل ہوگی۔

نظام خاندان اسی وقت بہتر طریقہ سے چل سکتا ہے جب مرد کی اس حیثیت کو عورت قبول کرے اور خوش دلی سے اس کی اطاعت کرے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۔(النساء:۳۴)

''پس نیک عورتیں شوہر کی اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں ان کے پیچھے کہ اللہ نے ان کی حفاظت کی ہے۔''

'قنوت' کے معنی اطاعت وفرماں برداری کے ہیں۔ قانتات کا مطلب یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں۔ اللہ کے احکام کی بھی اور شوہر کی ہدایات کی بھی۔ بما حفظ اللہ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ نے چوں کہ عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے، مردوں کو مطلق اقتدار نہیں دیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ وہ ان کی اطاعت گزار ہوں، اس اندیشہ میں مبتلا نہ ہوں کہ شوہروں کی اطاعت کی وجہ سے ان کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

عورت کو ظلم اور ناانصافی سے بچانے کی تدابیر

اقتدار کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ناانصافی کا امکان بہ ہر حال رہتا ہے۔ مردوں کو اگر اقتدار دیا گیا ہے تو ان کی جانب سے ظلم وزیادتی کے امکان کو روکنے کے لیے دو اقدامات کیے گئے۔ ایک یہ کہ انھیں تعلیم دی گئی کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (النساء:۱۹)

''اور ان کے ساتھ معروف کے مطابق رہن سہن رکھو، پس اگر تم انھیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

معروف سے مراد یہ ہے کہ سوسائٹی کے اندر بہتر سلوک کا جو تصور اور معیار ہے اس کے مطابق عورتوں کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ معروف زمانہ اور حالات کے لحاظ سے بھی بدلتا رہے گا۔ میاں بیوی کے حالات کے لحاظ سے بدلے گا، آدمی جس ماحول اور جس ملک میں رہ رہا ہے اس کے لحاظ سے بھی بدلے گا۔ لیکن سلوک ایسا ہونا چاہیے کہ اسے عرف عام میں بہتر سلوک سمجھا جاتا ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ ہوسکتا ہے عورت کی بعض باتیں تمھارے لیے ناگواری کا باعث ہوں، تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس سلسلے میں اس سے بڑی بات شاید کہی بھی نہیں جاسکتی۔ عورت کی کچھ باتیں طبعی طور پر شوہر کو ناگوار ہوسکتی ہیں، کبھی اس کا سلوک غلط ہوسکتا ہے، اس کے مزاج میں چڑچڑاہٹ ہوسکتی ہے، اس کی جانب سے کبھی غصہ اور کبھی بدزبانی کا اظہار ہوسکتا ہے، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ شوہر نے کوئی بات کہی، لیکن بیوی نے نہ مانی۔ قرآن مجید کا منشا یہ ہے کہ ان کم زوریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوجود تمھارا سلوک عورت کے ساتھ معروف کے مطابق ہونا چاہیے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ آیت کے ٹکڑے (اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تمھیں ایسی اولاد عطا کرسکتا ہے جو تمھارے دل کو خوش کردے، جو علم، تقویٰ اور نیکی کے لحاظ سے بہتر ہو۔ اس وقت تم بھول جاؤ گے کہ اس کی ماں کا تمھارے ساتھ کیا معاملہ تھا۔

عورتوں کے ساتھ صرف حسن سلوک ہی کی تعلیم نہیں دی گئی، بلکہ ان کے قانونی حقوق بھی متعین کیے گئے۔ اس سلسلے میں قرآن نے کہا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرۃ:۲۲۸)

''اور عورتوں کے لیے کچھ حقوق ہیں، جس طرح ان پر کچھ ذمہ داریاں ہیں، دستور کے مطابق۔''

یعنی عورتوں کی ذمہ داریاں بھی ہیں اور ان کے حقوق بھی ہیں۔ شوہروں کو یہ دیکھنے کا حق ہے کہ بیویاں اپنی ذمہ داریاں ادا کررہی ہیں یا نہیں؟ لیکن ساتھ ہی انھیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان کے حقوق ادا ہورہے ہیں یا نہیں؟ قرآن مجید نے عورت کے حقوق اور ذمہ داریاں دونوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ ازدواجی زندگی میں جہاں یہ دیکھا جائے گا کہ عورت ذمہ داریاں ادا کررہی ہے یا نہیں وہاں اس کے حقوق بھی ادا کیے جاتے رہیں گے۔

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت

اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ عرب میں اس کا رواج تھا۔ لوگ کئی کئی بیویاں رکھتے تھے۔ دوسرے مذاہب اور دوسرے ملکوں میں بھی جو لوگ صاحب ثروت ہوتے تھے ان کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھی، اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اسلام نے کہا کہ آدمی زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ یہ بات جنگی پس منظر میں کہی گئی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جنگ کی صورت میں ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں کہ جوان مرد بالعموم ختم ہوجاتے ہیں۔ اُس دور کی جنگوں میں اس کا زیادہ امکان تھا۔ اس لیے اگر ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندی لگادی جاتی تو بیوہ ہوجانے والی عورتیں بے شوہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے رہ جاتیں۔ اسلام نے اس کا حل یہ تجویز کیا کہ آدمی ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اسے اس نے جنگی حالات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا، بلکہ عام رکھا۔ اس لیے کہ فرد کو بھی ایک سے زیادہ بیویوں کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ چناں چہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس حکم کا تعلق صرف حالت جنگ سے نہیں ہے، بلکہ عام حالات میں بھی آدمی ضرورت محسوس کرے تو ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ البتہ قرآن نے اس کے لیے دو شرطیں رکھیں۔ ایک یہ کہ آدمی بہ یک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ دوسری شرط یہ رکھی کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل کے تقاضے لازماً پورے کرنے ہوں گے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا ۔ (النساء:۳)

''اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف نہیں کر سکو گے تو نکاح کرو ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو، تین، چار۔ لیکن اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو یا جو تمھاری ملک یمین میں ہوں۔ اس طرح امید ہے کہ تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔''

یہاں قرآن کا یہ بیان بڑا اہم ہے کہ اگر تمھیں اس کا اندیشہ ہو کہ بیویوں کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو تمھیں ایک ہی بیوی رکھنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی سے پہلے آدمی اپنے حالات اور اپنے وسائل و ذرائع کا جائزہ لے۔ اس میں جسمانی طاقت اور مالی وسائل دونوں ہی شامل ہیں۔ اپنی عمر کا اور ہونے والی اولاد، ان کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کا جائزہ لے، اس کے بعد اگر وہ یہ اندیشہ محسوس کرتا ہے کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا تو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے سے احتراز کرے۔ اس پابندی سے ظلم و زیادتی سے بچا جا سکتا ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے اس کی بھی گنجائش ہے کہ اگر ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں عدل کے تقاضے پورے نہ ہوں اور ان میں سے کسی کی حق تلفی ہو رہی ہو تو وہ قانونی چارہ جوئی کر سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر ازدواجی تعلقات خراب ہونے لگیں

ازدواجی تعلقات خراب بھی ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تعلقات خراب ہونے لگیں تو آدمی صبر وضبط سے کام لے اور حکمت وتدبیر اور افہام وتفہیم کے ذریعہ اصلاح حال کی کوشش کرے۔ اس مقصد سے وہ کسی حد تک بیوی کے ساتھ سختی بھی کرسکتا ہے، اس سے تجاوز کی اسے اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح مرد کے اندر کوئی خرابی ہے تو عورت اس کی اصلاح کی مناسب انداز میں کوشش کرے۔ اس کے باوجود اس کا امکان ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات میں اس قدر بگاڑ پیدا ہوجائے کہ اسے وہ خود رفع نہ کرسکیں۔ اس صورت میں قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ دونوں طرف سے ایک ایک شخص کو حکم بنایا جائے اور وہ افہام وتفہیم کے ذریعہ اصلاح حال کی کوشش کریں۔ جوانی میں جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، بہت سی نامناسب باتیں ہوجاتی ہیں، کبھی کبھی دونوں خاندان کے لوگ اپنی ناسمجھی سے حالات کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اگر اخلاص کے ساتھ کوشش ہو تو اصلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً۔ (النساء:۳۵)

''اگر تمھیں ڈر ہو دونوں میں اختلاف اور ضد اور ہٹ دھرمی کا تو ایک حکم مرد کی طرف سے اور ایک حکم عورت کی طرف سے بھیجو۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کردے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔''

اس آیت میں 'یُرِیدَا' کی ضمیر زوجین کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اگر زوجین اصلاح کے خواہش مند ہوں گے تو اللہ ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دونوں حکم ہیں کہ اگر وہ معاملہ کو سلجھانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔

اس ارشاد باری تعالیٰ کا تعلق بہ ظاہر دونوں خاندانوں سے ہے کہ ان کے ذمہ دار

© rasailojaraid.com

اصلاح کی کوشش کریں۔ اس کا مخاطب مسلم معاشرہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور اگر معاملہ عدالت میں پہنچ جائے تو وہ بھی حَکَم متعین کرسکتی ہے۔ لیکن ان کی کوشش اصلاح حال کی ہوگی۔ وہ فریقین کو مشورہ دے سکتے ہیں، کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، فیصلہ کا حق زوجین ہی کو ہوگا۔ بہ ہر حال یہ ایک پسندیدہ عمل ہے۔

طلاق کی گنجائش

اصلاح حال کی کوشش کے بعد بھی میاں بیوی کے لیے ازدواجی رشتے کو باقی رکھنا اور ایک ساتھ چلنا دشوار ہوجائے تو اسلام نے مرد کے لیے طلاق کا اور عورت کے لیے خلع کا راستہ رکھا ہے۔ اسلام نے یہ نہیں کہا کہ تعلقات کتنے ہی بگڑ جائیں، عورت اور مرد کی زندگی کتنی ہی اجیرن کیوں نہ ہوجائے، طلاق نہیں ہوسکتی، یا عورت خلع نہیں حاصل کرسکتی۔

اہل عرب میں طلاق کی کوئی حد نہیں تھی۔ آدمی جب چاہتا طلاق دے دیتا اور جب چاہتا رجوع کرلیتا۔ اس طرح وہ عورت کو زندگی بھر تنگ کرسکتا تھا۔ قرآن نے کہا کہ طلاق کا حق، جس میں عدت کے دوران رجوع کیا جاسکتا ہے، دو مرتبہ ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔ (البقرۃ:۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس کے بعد آدمی یا تو معروف کے مطابق روک لے یا بھلے طریقے سے چھوڑ دے۔''

آیت میں طلاق رجعی کا ذکر ہے۔ آدمی کو صرف دو مرتبہ یکے بعد دیگرے طلاق کا حق حاصل ہے۔ اس سے وہ (عدت میں جو تین حیض یا تین ماہ ہے) رجوع کرسکتا ہے۔ حکم ہے کہ رجوع کرلے تو بیوی کے ساتھ معروف کے مطابق معاملہ کرے اور علیٰحدگی کا فیصلہ کرے تو بہتر طریقہ سے علیٰحدہ کرے۔ عدت کا زمانہ گزر جائے اور رجوع نہ کرے تو ازسرِ نو نکاح کرنا پڑے گا۔ تیسری مرتبہ طلاق دے تو رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔ دوبارہ وہ اس عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہے تو اس کے لیے طویل راستہ رکھا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

فَإِن طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىَ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ۔ (البقرۃ:۲۳۰)

''پھر اگر وہ اسے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دے تو اب وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔'' (اور اس کے ساتھ مجامعت بھی ہوجائے)

اگر کسی عورت کو طلاق دے دی گئی تو اسے دوسری شادی سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر تین طلاقیں ہوگئیں تو اب وہ زندگی بھر گھر بیٹھی رہے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ عدت گزرنے کے بعد وہ دوسری شادی کرسکتی ہے، اس کے بعد اگر اس کا شوہر مرجائے یا اسے طلاق دے دے (اس میں دس بیس سال بھی لگ سکتے ہیں اور مہینہ دو مہینے میں بھی یہ بات ہوسکتی ہے) تو ماضی کے تجربہ کے بعد اور ان حالات سے گزرنے کے بعد اس کا سابق شوہر چاہے اور عورت خود بھی چاہے تو ان کے درمیان از سرِ نو نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ مشکل طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ آدمی طلاق اور رجوع کو مذاق نہ سمجھ لے اور تیسری مرتبہ طلاق دینے سے پہلے ہزار بار سوچ لے کہ پھر بیوی سے تعلق آسان نہ ہوگا۔

تین طلاقوں کا مسئلہ

حدیث میں طلاق وقفہ وقفہ سے حالتِ طہر میں دینے کا حکم ہے۔ سنت کا طریقہ یہی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد آدمی عدت گزرنے دے، تاکہ اگر آئندہ ضرورت محسوس ہو تو ان کے درمیان از سرِ نو نکاح ہوسکے۔ صحابۂ کرام کا عمل اسی پر تھا۔ مرد نے عورت کو ایک طلاق دی اور چھوڑ دیا۔ اس طرح زوجین کے درمیان علیٰحدگی ہوگئی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد اگر وہ دوبارہ اس عورت سے شادی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ تمام فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ ایک سوال یہ زیرِ بحث رہا ہے کہ اگر کسی نے یہ ترتیب باقی نہیں رکھی اور ایک ہی مرتبہ تینوں طلاقیں دے دیں تو کیا اس کا حقِ طلاق ختم ہوگیا؟ اب وہ رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟ عام فقہاء کہتے ہیں کہ شوہر کو تین طلاقوں کا حق دیا گیا تھا، اگر اس نے ایک ہی موقع پر ان کا استعمال کرلیا تو انھیں تین ہی

© rasailojaraid.com

سمجھا جائے گا، لیکن بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے ایک نشست میں تین نہیں، تین سو طلاقیں بھی دے دیں تو انھیں ایک ہی شمار کیا جائے گا اور اسے رجوع کا حق ہوگا۔ لیکن اس سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا، طلاق بہر حال ہو جاتی ہے، تین مرتبہ ہو یا ایک مرتبہ۔ یہ بات کوئی نہیں کہتا کہ اگر کسی نے تین بار طلاق دے دی تو طلاق نہیں ہوگی۔ سب کہتے ہیں کہ طلاق ہو جائے گی۔ اختلاف اس میں ہے کہ ایک ہوگی یا تین؟ یہ ایک قانونی بحث ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی طلاق دینا چاہتا ہے تو وہ آج بھی دے گا، کل بھی دے گا اور پرسوں بھی دے گا۔ اس سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین بار طلاق طلاق طلاق تاکید کے طور پر کہے اور اس کی مراد صرف ایک ہو تو اس کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔

اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ماں باپ دونوں کی ہے

اسلامی قانون کی رو سے اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے، وہی اس کا ولی اور کفیل ہوتا ہے اور اس کی معاشی ذمہ داری اٹھاتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اولاد ماں کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ یہ قانونی بات اور ہے، لیکن اولاد ماں کی طرف بھی منسوب ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ فلاں عورت کی اولاد ہے۔ تو غلط نہ ہوگا۔ قرآن مجید نے اولاد کی نسبت باپ اور ماں دونوں کی طرف کی ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ۔ (البقرۃ:۲۳۳)

''اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہے اور جس کی اولاد ہے وہ ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کرے دستور کے مطابق، کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا۔ نہ ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے، نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔''

© rasailojaraid.com

اس آیت میں بچے کو ماں کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے اور باپ کی طرف بھی۔ قانونی اعتبار سے نفقہ باپ کی ذمہ داری ہے، لیکن ماں کی طرف بھی اولاد کی نسبت ہوسکتی ہے۔

قرآن مجید میں عمران کی بیوی، جو حضرت مریم کی والدہ تھیں، کی نذر کا ذکر ہے:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (آل عمران: ۳۵)

''یاد کرو وہ وقت جب عمران کی بیوی نے کہا تھا: اے میرے رب میں نے نذر مانی ہے کہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ تیرے دین کے لیے وقف ہوگی تو اسے قبول کرلے۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے''

اس آیت کے ذیل میں مشہور حنفی فقیہ علامہ ابوبکر جصاص رازی کہتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کو اولاد کی تادیب، تعلیم، دین کی راہ میں لگانے، اور اس کی تربیت کے سلسلے میں ایک طرح کی ولایت حاصل ہے۔ وہ سرپرست بن سکتی ہے۔ ورنہ وہ (عمران کی بیوی) اس کی نذر نہ مانتیں۔ اسی طرح اسے اس کا بھی حق ہے کہ اگر باپ نام نہ رکھے تو وہ اپنی اولاد کا نام رکھے۔ یہ صحیح نام ہوگا۔''[۱]

اولاد کا نان نفقہ برداشت کرنا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا باپ کی ذمہ داری ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرة: ۲۳۳)

''اور جس کی اولاد ہے وہ ان (مطلقہ بیویوں) کے کھانے کپڑے کا بندوبست کرے دستور کے مطابق''

اسی طرح ان کی صحیح تعلیم و تربیت بھی ماں باپ کے فرائض میں داخل ہے۔ ماں باپ کو اس کا عملاً نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ وہ انھیں جہنم سے بچانے کی فکر کریں اور خود بھی جہنم سے بچیں۔

---

۱ ابوبکر جصاص، احکام القرآن، ۲/۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَکُمْ وَأَهْلِیْکُمْ نَاراً۔(التحریم:۶)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے''

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ خود آگ سے بچو اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ بیوی بچوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو دوسروں کی اصلاح سے قبل خود کو نمونہ بننا چاہیے اور اپنے گھر کو نمونہ بنانا چاہیے۔ اگر گھر نمونہ نہیں بنے گا تو اصلاح نہیں ہوسکتی۔ یہ بات قرآن میں ازواج مطہرات کو خطاب کر کے کہی گئی ہے:

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ آیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ۔(الاحزاب:۳۴)

''اور یاد رکھو جو کچھ تمھارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔''

اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہمارے گھروں کو دعوت و تبلیغ کا مرکز ہونا چاہیے۔

قتلِ اولاد کی کسی صورت میں اجازت نہیں

قرآن نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر انسان جو پیدا ہوتا ہے وہ حقِ حیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اس حق کو کوئی سلب نہیں کرسکتا۔ ماں باپ بھی اولاد سے حقِ حیات نہیں چھین سکتے۔ یہ ایک قانونی جرم ہے۔ یہ بات قرآن میں بہت تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ عرب میں غربت و افلاس اور بعض دوسرے اسباب سے قتلِ اولاد کے واقعات ہوتے تھے۔ قرآن نے کہا:

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَکُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَإِیَّاهُمْ۔(الانعام:۱۵۱)

''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو فقر کی بنا پر، ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی دیں گے۔''

کبھی افلاس سے زیادہ اندیشۂ افلاس سے قتلِ اولاد کا ارتکاب ہوتا تھا۔ قرآن نے اس سے بھی منع کیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْءًا كَبِيرًا۔(الاسراء:۳۱)

اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو فقر و فاقہ کے اندیشے سے۔ ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ ان کا قتل بہت بڑی خطا ہے۔

قتل اولاد کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے قرآن نے اسے بے علمی اور جہالت کی حرکت اور فرد اور قوم کا خسارہ کہا ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔(الانعام:۱۴۰)

''وہ لوگ خسارہ میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو نادانی میں ناواقفیت کی بنا پر قتل کیا''

قرآن کہتا ہے کہ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ آدمی اپنی اولاد کو قتل کردے۔ یہ اپنی بے وقوفی سے جو اقدام کررہے ہیں اس میں ان کا اپنا نقصان ہے، اس سے نسل تباہ ہوتی ہے اور قوم کی افرادی قوت ختم ہوتی ہے۔ یہ تو خسارہ کا سودا ہے۔ انھیں خود سوچنا چاہیے۔

والدین کے حقوق

قرآن مجید میں اولاد کے سلسلے میں جہاں ماں باپ کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں وہیں اولاد کو بھی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی ضروریات کی تکمیل کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۔ (لقمان:۱۵)

''اور ان دونوں کے ساتھ رہو دنیا میں معروف کے مطابق''

معروف کے مطابق معاملہ کرنے کے حکم میں ان کا نان نفقہ اور ضروریات کی تکمیل بھی شامل ہے۔ اس میں محض قانونی ذمہ داریاں ادا کرنے ہی کا نہیں بلکہ ان کے ادب و احترام، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کے حق میں دعا اور ہر ممکن خدمت کے باوجود کوتاہی کے اعتراف کا حکم ہے۔ خاص طور پر ان کی پیرانہ سالی میں، جب وہ اولاد کے زیادہ دست نگر ہوتے ہیں اور مزاج میں ایک طرح کا چڑچڑاپن آجاتا ہے، ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَقَضٰی رَبُّکَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً إِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ أَحَدُھُمَا أَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلاً کَرِیْماً. وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْراً۔

(الاسراء:۲۳-۲۴)

''اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو ان سے اف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکو اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرو۔ اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور کہو اے میرے رب ان دونوں پر رحم کر جس طرح انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔''

اس سلسلے میں موجودہ دور میں ایک سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ کیا اسلامی تعلیمات کی رؤ سے Old age home کی کچھ گنجائش ہے؟ میرے خیال میں اولڈ ایج ہوم کا تصور قرآن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ (اگر وہ تمھارے پاس رہتے ہوئے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں) سے اشارہ ملتا ہے کہ والدین کو ساتھ ہونا چاہیے۔ لیکن آج کے حالات میں بسا اوقات والدین کو ساتھ رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ کبھی بیوی کی وجہ سے، کہ وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہے، یا شوہر کا اس پر کنٹرول نہیں ہے، یا آج کل ماں باپ ہندوستان میں ہیں اور بیٹا امریکہ یا برطانیہ میں رہ رہا ہے، یا سعودی عرب یا کسی دوسرے ملک میں ملازمت کررہا ہے۔ اس طرح کی اور دشواریاں بھی ہوسکتی ہیں۔ آیت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی مادی ضروریات کے ساتھ ان کی دل جوئی کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔ اب اس کے لیے آدمی کیا طریقہ اختیار کرے اس کا تعیّن تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن ہر آدمی خود سوچ سکتا ہے کہ اس صورت حال میں اسے کیا کرنا چاہیے؟۔

خونی رشتوں کا احترام

ماں باپ، بیوی بچوں کے ساتھ قرآن نے خونی رشتوں کے بھی احترام کا حکم دیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءلُونَ بِہِ وَالأَرْحَامَ۔(النساء:۱) ''اور ڈرو اللہ سے جن کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قطع رحمی سے بچو''

اہل ایمان کے جو اوصاف مذکور ہیں ان میں سے ایک صلہ رحمی بھی ہے:

وَالَّذِیْنَ یَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰہُ بِہِ أَن یُوصَلَ۔(الرعد:۲۱) ''اور وہ جوڑتے ہیں اسے جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف وعظ و نصیحت نہیں ہے، بلکہ تاکیدی حکم ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَی حَقَّہُ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِیْراً۔(الاسراء:۲۶) ''اور رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ''

اس آیت میں بڑی اہم بات بتائی گئی ہے کہ فضول خرچی کرو گے، دولت کو اِدھر اُدھر اڑانے لگو گے تو قرابت داروں اور دوسرے مستحقین کا حق ادا نہیں ہوگا۔ یہ حق اسی وقت ادا ہوگا جب دولت کے صرف پر کنٹرول رکھو گے اور اہل حق کا حق پہچانو گے۔

خلاصۂ بحث

اسلام نے خاندان کا جو نظام پیش کیا ہے وہ ایک مربوط نظام ہے۔ اس نے محبت و اخلاص اور اخلاق و قانون کی بنیاد پر اسے استوار کیا ہے۔ معاشرہ خاندانوں کا مجموعہ ہوتا ہے، خاندان کے دائرے میں اسلامی احکام کی پابندی ہوگی تو پورے معاشرے پر اس کے اثرات پڑیں گے۔ اسلام نے جس طرح خاندان کو پاکیزہ رخ عطا کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماحول کے عمومی فساد سے مسلمانوں کے خاندان آج بھی کسی حد تک محفوظ ہیں۔ پورے معاشرے پر ہمارا کنٹرول نہیں ہے۔ لیکن خاندان کے چھوٹے سے دائرے میں ہمیں جو اقتدار اور تصرف حاصل ہے اس سے اگر ہم پورا فائدہ اٹھائیں اور خاندان کو اسلامی رخ دے سکیں تو ان شاء اللہ پورا سماج اس سے متاثر ہوگا اور اسلام کے اثرات ہر طرف نظر آنے لگیں گے۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلانِ ملکیت سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، فارم:۴، رول:۹

۱۔مقام اشاعت: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

۲۔نوعیت اشاعت: سہ ماہی

۳۔پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔قومیت: ہندوستانی

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

۵۔ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری،

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

۶۔ملکیت: ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

۱۔مولانا سید جلال الدین عمری (صدر)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

۲-ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی (سکریٹری)

سی ۹، ڈوپلکس کوارٹرس، سول لائنس، علی گڑھ

۳۔ڈاکٹر محمد رفعت (خازن)

شعبۂ فزکس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۴۔ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری (رکن)

الریحان۔مزمل منزل، علی گڑھ (یوپی)

۵۔مولانا محمد فاروق خاں (رکن)

۱۳۵۳-بازار چتلی قبر، دہلی-۶

۶۔ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی (رکن)

فریدی ہاؤس، سرسید نگر، علی گڑھ (یوپی)

۷۔مولانا مطیع اللہ کوثر یزدانی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی، ۲۵

۸۔جناب ٹی، کے، عبداللہ (رکن)

مالاتھن کنڈی ہاؤس، بلیری، کالی کٹ

۹۔ ڈاکٹر احمد سجاد (رکن)

طارق منزل، بریا توہاؤسنگ کالونی، رانچی

۱۰۔جناب محمد جعفر (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

۱۱۔انجینیر سید سعادت اللہ حسینی (رکن)

حیدرآباد

مندرجہ بالا معلومات میرے علم ویقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر

سید جلال الدین عمری

© rasailojaraid.com